Volume 03, Issue 02,
April-June 2025
PP: 136-143
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

مستنصر حسین تارڑ کے ناول "پیار کا پہلا شہر" میں مغربی کرداروں کی پیش کش

The Portrayal of Western Characters in Mustansar Hussain Tarar's Novel Piyār kā Pahlā Shahr

Muhammad Naeem Yousaf [1]*, Dr. Wasif Iqbal Siddique [2]

Article History

Received
10-05-2025

Accepted
27-06-2025

Published
04-07-2025

Indexing

WORLD of JOURNALS
ASIAN Research Index
Signatory of DORA
اردو جرائد اشاریہ
ACADEMIA
Google Scholar
EuroPub

Abstract

This study explores the depiction of Western characters in Mustansar Hussain Tarar's acclaimed Urdu novel Piyār kā Pahlā Shahr (The First City of Love), focusing on the portrayal of cross-cultural empathy and shared human experiences. Central to the narrative is the character of a French girl, depicted as compassionate, courageous, and emotionally intelligent. Through her relationship with the protagonist, Tarar illustrates the potential for meaningful connections between individuals from vastly different cultural backgrounds. Rather than presenting the Western world as alien or adversarial, Tarar humanizes it, emphasizing the universality of emotions such as love, care, and understanding. The novel becomes a literary space where East and West are not in conflict, but in conversation—where cultural differences are acknowledged but do not obstruct emotional depth or human solidarity. This research critically examines how the author employs narrative, character development, and setting to challenge stereotypes and promote intercultural harmony. By analyzing the symbolic and thematic dimensions of the novel, the study reveals Tarar's nuanced vision of global humanity one that transcends geographic and ideological boundaries.
The findings suggest that Piyār kā Pahlā Shahr serves not only as a romantic narrative but also as a subtle commentary on cross-cultural interaction, tolerance, and the shared emotional landscapes of East and West. Through this lens, the novel contributes to contemporary literary discourse on identity, cultural dialogue, and the ethics of representation.

Keywords:

Mustansar Hussain Tarar, Piyār kā Pahlā Shahr, Western Characters, Cross-Cultural Interaction, Urdu Literature, East-West Relations, Cultural Representation, Intercultural Empathy, Postcolonial Narrative, Identity and Love.

[1] *PhD Scholar, Urdu Department, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.* ****Corresponding Author***
[2] *Assistant Professor, Urdu Department, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.*
wasif.iqbal@iub.edu.pk

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development
ROAD Directory of Open Access Scholarly Resources
OPEN ACCESS

بیسویں صدی کے نصف آخر میں تقسیم اور ہجرت کی نم آلود فضاؤں میں موجود ادبی و تخلیقی ناول چھپنے میں ایک دہائی کا عرصہ بیت گیا۔ آسمان جب صاف ہوا تو تخلیق کاروں نے ادبی اُفق میں نئی جہت تلاش کرنے کی شعوری جستجو کی۔ ان نئے تخلیق کاروں میں ادب کی ہمہ جہت تخلیقی صلاحیتوں کی حامل ایک ادبی شخصیت مستنصر حسین تارڑ کی صورت میں نمودار ہوئی۔ جس نے بہت جلد ادب کے ساتھ ساتھ اخبار اور ٹی وی میں بھی اپنا منفرد اور مقبول مقام و مرتبہ حاصل کر لیا۔ مستنصر حسین تارڑ نے یکم مارچ 1939ء کو ایک زمیندار اور متمول جاٹ خاندان میں آنکھ کھولی۔

چودھری رحمت خاں کو ربِ کائنات نے تین بیٹوں اور تین ہی بیٹیوں سے نوازا۔ چودھری رحمت خاں کے ہاں یکم مارچ 1939ء کو لاہور میں مستنصر حسین تارڑ پیدا ہوئے۔ بہن بھائیوں میں آپ سب سے بڑے ہیں۔ تارڑ کی پیدائش کی خوشخبری ایک خط کے ذریعے ان کے گاؤں میں مقیم دادا اور دادی کو دی گئی۔ [1]

مستنصر حسین تارڑ کے والد چودھری رحمت خاں بغرض کاروبار لاہور میں مقیم تھے۔ تارڑ نے ابتداء میں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم لاہور اور گھکومنڈی سے حاصل کی۔ مسلم ماڈل ہائی سکول لاہور سے 1954ء میں میٹرک پاس کیا۔

گورنمنٹ کالج لاہور میں تارڑ ابھی انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم ہی تھے کہ والد نے انہیں ہوزری ٹیکسٹائل میں ڈپلومے کے لیے انگلینڈ روانہ کر دیا۔ اگرچہ ان کے والد کی ہمیشہ خواہش رہی کہ ان کا بیٹا بیرسٹر بنے مگر بیٹے کا تو سرے سے پڑھائی میں دل ہی نہیں لگتا تھا انہوں نے وہاں ٹیکنیکل کالج نوٹنگھم میں تعلیم حاصل کی۔ [2]

قیام برطانیہ کے دوران مستنصر حسین تارڑ کو لندن سے ماسکو جانے کا اتفاق ہوا، جہاں یوتھ فیسٹیول میں شرکت کی۔ واپسی پر اسی سفر کی روئیداد جو انہوں نے "لندن سے ماسکو تک" کے عنوان سے تحریر کی۔

اس غیر متوقع پیش کش سے میں ذرا گڑبڑا گیا کہ میری کتابوں میں کہیں لکھاری ہونا نہ لکھا تھا۔ اگرچہ پڑھا تو بہت کچھ تھا لیکن ابھی دو چار بچوں کے رسالوں میں ایک دو کہانیوں اور لطیفوں وغیرہ کے سوا کچھ نہ تھا تو میں نے ٹین ایجر ہونے اور اس مقابلے میں ناتجربہ کار ہونے کے دلائل پیش کیے جو نظامی صاحب نے رد کر دیئے۔ آپ جو لکھ سکتے ہیں لکھئے ہم اصلاح کریں گے۔ میرے جی میں جو آیا لکھ دیا اور وہ سفر نامہ چار اقساط میں ان زمانوں کے نہایت مؤقر ہفتہ وار "قندیل" میں "لندن سے ماسکو تک" کے عنوان سے شائع ہو گیا یہ میری اوّلین ادبی تحریر تھی اور یہ 1958ء تھا۔ [3]

اس سفر نامے کے بعد تارڑ نے اپنے ادبی سفر میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، اول انہوں نے سفر نامے میں اپنا نام و مقام بنایا، بعد ازاں انہوں نے ادب کی دیگر جہتوں ڈراما نگاری، کالم نگاری اور ناول نگاری میں بھی طبع آزمائی کی۔ سفر ناموں سے شہرت پانے والے تارڑ نے جب ناول نگاری کے میدان میں قدم رکھا تو یہاں بھی اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا۔ ان کے ناول پلاٹ، کردار اور کہانی میں بے مثل اور دلچسپ ہونے کے باوجود سفر نامے کے اسلوب میں ملفوف دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی ذات میں سیر و سیاحت کی ہیجانی کیفیت کا لاشعوری طور پر دخل ہو سکتا ہے جو ان کی طبیعت اور مزاج کا خاصا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لکھاری اور سیاح ہونے کے ناطے وہ ان خوب صورت مناظر کو اپنی کہانیوں کے پس منظر کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کے کئی ناول سیاحت اور ناول نگاری کا امتزاج ہیں۔ ان کا سحر آفریں اسلوب انہیں مقبول ناول نگاروں میں جگہ دینے میں بہت معاون ثابت ہوا۔ [4]

"پیار کا پہلا شہر"مستنصر حسین تارڑ کا اوّلین ناول ہے۔یہ ناول پاکستان میں سب سے زیادہ بکنے والے ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ پیرس کی دل کش، سحر انگیز فضا کے پس منظر میں تخلیق کیا جانے والا یہ ناول شعبہ اردو ماسکو یونیورسٹی کے سلیبس میں شامل ہے۔ دیار غیر میں اس کی مقبولیت کے اعتراف میں میڈم گالینا ڈشنکو سینئر پروفیسر شعبہ اردو، ماسکو یونیورسٹی، روس یوں گویا ہیں:

یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ سنیچر کو (اس روز تارڑ کی کتاب پڑھائی جاتی ہے) کوئی طالب علم بیماری، کسی رشتہ دار کی آمد یا دوست کی شادی کا بہانہ کر کے غیر حاضر نہیں ہوتا۔ اس بات کے باوجود کہ کسی دوسرے دن کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سارے روس میں کوئی وبا پھیل گئی ہو یا سب طالب علم شادیاں کرنے والے ہوں۔[5]

آپ بیتی نما اس ناول میں تارڑ نے قلبی واردات کو "سنان" کی صورت میں عملی جامہ پہنا کر مشرقی روایات کو مغرب کی تہذیب پر ترجیح دی ہے۔ مصنف نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دو تہذیبوں کے درمیان تفاوت میں خود کو کمال ہوشیاری سے مشرقی روایات کا امین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر غفور شاہ قاسم اس ناول کی وجہ تصنیف کچھ یوں لکھتے ہیں:

اس ناول کا محرک تخلیقی اضطراب نہیں مالی ضرورت تھی۔ "دھنک" رسالے کے ایڈیٹر سرور سکھیرا نے "نکلے تیری تلاش میں" کے باب اپاہج وینس کو ناول کی شکل میں ڈھالنے کی فرمائش کی اور مصنف کو ایک معقول رقم کی پیش کش کی۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں یہ ناول معرض وجود میں آیا۔[6]

وہ تصنیف مالی ضرورت ہے یا قلبی مشاہدات، جو بھی ہے ناول کے بہت ہی مختصر صرف چار دن کی کہانی کے پلاٹ کی بنت نے منفرد اسلوب کی چاشنی اور تاریخی حوالوں کے ساتھ منظر نگاری کے امتزاج نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

"پیار کا پہلا شہر" فرانس کے دارالحکومت پیرس میں داخلے سے قبل کہانی کا آغاز لندن سے پیرس جاتے ہوئے سٹیمر پر بیتی ہوئی ایک رات کے سفر سے ہوتا ہے۔ سیاہ شب کی پر فسوں فضا میں سمندر کے سکوت میں بار بار رخنے ڈالتی ہوئی اژدھے کی مانند لہریں اپنے ساتھ نم آلود ہواؤں کو ملا کر عرشے کے ماحول کو مزید ٹھنڈا کر دیتی ہیں، تو سنان مرکزی کردار کافی پینے سٹیمر کی نچلی منزل چلا جاتا ہے۔ قہوہ خانے میں موجود لوگوں پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اس نے ماحول کا جائزہ اس انداز سے لیا ہے کہ وہاں موجود مغربی کرداروں سے سنان کا تعارف کچھ اس طرح ہوا جس میں انگریزوں کے روز و شب کے معمولات کا عکس واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

قہوہ خانہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہاں پر لہروں کے شور کی بجائے انسانی آوازوں کا غوغا تھا، چند لوگ کافی یا شراب پینے میں مصروف تھے مگر اکثریت کرسیوں پر ٹانگیں پھیلائے اونگھنے اور سونے کے درمیانی مراحل میں تھی۔ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے ایک بوڑھا انگریز سیاہ سوٹ اور باؤلر ہیٹ میں ملبوس ایک ہاتھ میں چھاتا تھامے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اسے شاید فرش پر کوٹ بچھا کر لیٹے ہوئے ایک نوجوان جوڑے کی حرکات دیکھنے سے سکتہ طاری ہو گیا تھا جو پیرس پہنچنے کا انتظار کیے بغیر وہیں فرانسیسی رومان پسندی کا پہلا سبق رٹنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔ ایک جانب چند نوجوان انگریز موسیقار اپنے قد آور سازوں سے ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے۔ وہ شاید جس شہرت کے متمنی تھے انہیں لندن میں نہ مل سکی تھی اور اب وہ پیرس کا رخ کر رہے تھے۔ پیرس جہاں ہر فنکار کی قدر ہوتی ہے وہ موسیقار ہو یا مصور۔

سنان نے ایک نظر اس بے ترتیب ہجوم پر ڈالی اور پھر میزوں، کرسیوں اور انسانی جسموں میں سے راستہ بناتا کاؤنٹر تک پہنچ گیا۔[7]

قہوہ خانے میں "سنان" کی مڈ بھیڑ ایک سکاٹش کردار سے ہوتی ہے، سکاٹ لینڈ کی تہذیبی روایات اور مزاج کو سکاٹ لینڈ کے ایک باشندے کی زبانی چند مکالموں میں سمیٹ رہا ہے۔ یہ مکالمے اپنی تہذیب و تمدن کی نمائندگی کرتے ہیں۔

یہ اقتباس دیکھیے:

میں تو ہر ہفتے فرانس کا چکر لگا کر آتا ہوں۔ سکاٹ نے گھونٹ بھر کر جھومتے ہوئے کہا۔

آپ کی وہاں رشتہ داری ہے کیا؟" سنان نے یونہی پوچھ لیا۔

"رشتہ داری؟" سکاٹ نے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا سکاٹ لینڈ کے باشندوں کی رشتہ داری صرف سکاچ وہسکی سے ہوتی ہے۔"[8]

تارڑ کے ناول "پیار کا پہلا شہر" میں مرکزی کردار ادا کرنے والی اینگلو فرنچ نوجوان نیم معذور لڑکی کا نام "پاسکل" ہے۔ پاسکل ایک کار حادثے میں ایک ٹانگ سے اپاہج ہو چکی تھی۔ ناول میں وہ سنان کو بتاتی ہے:

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔۔۔ ڈیڈی ڈیر مجھے بے حد چاہتے ہیں میری سولہویں سالگرہ پر انہوں نے مجھے ایک تیز رفتار سپورٹس کار تحفے میں دی۔ سترہویں سالگرہ آنے سے پہلے ہی ایک خزاں رسیدہ شب کو نوٹنگھم کے شیر وڈ جنگل میں میرا حادثہ ہو گیا۔"[9]

انسانی نفسیات کے مطابق پیدائشی معذوری اور حادثاتی معذوری میں بہت فرق ہے۔ حادثاتی معذوری فرد میں احساس کمتری پیدا کرتی ہے جس کی شدت کا شکار پاسکل بھی ہے۔ ہر کوئی اس سے ہمدردی اور رحم کے جذبات کے ساتھ پیش آتا ہے لیکن وہ محبت کی تمنائی ہے۔ تارڑ نے اپنے فن اور اسلوب کے امتزاج سے پاسکل کے اپاہج پن سے جنم لینے والے نفسیاتی مسائل کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ پاسکل تنہائی کا شکار ہوتے ہوئے مایوسی اور ناامیدی کی فضا میں سانس لے رہی ہوتی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ ایک خوش شکل نیلی آنکھوں والی دل کش سڈول جسمانی خدوخال کی حامل ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"سنان نے پہلی مرتبہ اسے غور سے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں گہرے نیلے رنگ کی تھیں اور ستواں ناک سرے پر قدرے اوپر کو اٹھی ہوئی۔ سرخ و سپید گول چہرے پر چھوٹے کٹے ہوئے بال بے حد بھلے لگ رہے تھے۔ پچھلی شب کو تاریکی میں وہ اسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ یقیناً بے حد خوبصورت تھی۔"[10]

"پیار کا پہلا شہر" متضاد انسانی رویوں کی کہانی ہے جس میں پاسکل جو غیر مختتم محبت کی آرزومند ہے، اسے سنان کے کردار میں مل جاتی ہے۔ سنان پاسکل کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کی پژمردہ روحانی، جسمانی، نفسیاتی اور بے جان زندگی میں زندگی کی نئی رمق اور روشنی ڈال دیتا ہے لیکن پاسکل کو اس جز وقتی رفاقت کے اختتام پر وہی تنہائی اور دریائے سین کے کنارے اکیلے رہ جانے کا خوف لاحق ہے۔ وہ سنان کی منتیں کرتی ہے کہ وہ وہیں پیرس میں مستقل قیام کرے یا اپنے ساتھ لے جائے۔ وہ اپنی عمر اس کے ساتھ بتانے کے لیے بے چین ہے۔ ایسا بھی اگر ممکن نہیں تو اس کرسمس تک پیرس میں ہی قیام کر لے۔ اس ضمن یہ اقتباس دیکھیے:

"مجھے سب کچھ معلوم ہے تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی سنان۔۔۔ تم۔۔۔ سنان نے اپنی ہتھیلی پاسکل کے خنک لبوں پر رکھ دی۔ خاموش ہو جاؤ پاسکل مجھے اپنی ہی نظروں میں اتنا نہ گراؤ۔۔۔ پاسکل۔۔۔ میں دوسروں سے رحم اور ہمدردی کی بھیک مانگنے کی بجائے تمہارے آگے کشکول پھیلائے دیتی ہوں۔"[11]

پاسکل کا کردار مغربی تہذیب کی بہت سی کمزوریوں کو اُجاگر کرتا ہے۔ مغرب کی مادہ پرستی کی وجہ سے معاشرے میں محبت اور پیار کے روحانی جذبات کی قدریں ناپید ہوگئی ہیں۔ پاسکل کے رشتہ دار اور حلقہ احباب نے محض اس بنا پر اس کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ اپاہج ہو گئی ہے۔ وہ آزادانہ گھوم نہیں سکتی، پارٹی میں ڈانس نہیں کر سکتی اور کوئی بھی اس کے ساتھ شادی کرنے کو تیار نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کی خلوت کا ساتھی بننے کے لیے کوئی شہزادہ اس کی زندگی میں آئے، اس کے بھی بچے ہوں۔ وہ حیران ہے کہ نسوانی خواہشات کی بجاآوری کے لیے اپاہج پن، معاشرتی اور تہذیبی رکاوٹیں کیوں دیوار بن جاتی ہیں۔

"ہر لڑکی کی طرح مجھے بھی بچے اچھے لگتے ہیں۔۔۔ میری بھی یہ خواہش ہے میرے اپنے بچے ہوں۔۔ میں بھی ماں بنوں، پاسکل کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے اور وہ خاموش ہو گئی۔"[12]

تارڑ نے مغربی تہذیب کی متعدد کج رویوں کو پاسکل کے جذبات اور احساسات کی محرومی کی شکل میں واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ پاسکل کا کردار مغربی تمدن میں احساس محرومی کو جنم دینے اور نا امیدی کے سائے میں زندگی گزارنے کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"اسی ایک محرومی نے تو سیکڑوں محرومیوں کو جنم دیا ہے میں کس کس کا گلا گھونٹوں؟"[13]

یونانی دیومالائی کہانیوں میں وینس دیوی نسوانی خوب صورتی اور دل کشی کا استعارہ تسلیم کی جاتی ہے۔ وینس دیوی کا بازوؤں سے محروم مجسمہ اپنے دلفریب تراش کے باوجود پیرس کے پہلے عجائب گھر میں آویزاں اپنے پس منظر میں کئی مبالغہ آمیز روایات کا مظہر ہے۔ تارڑ نے کہانی کے پلاٹ کو سمیٹتے ہوئے پاسکل کے اپاہج پن اور وینس دیوی کے معذور مجسمے میں مناسبت پیدا کر دی ہے۔ اب یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ پاسکل اور وینس دیوی کے حسن و دل کشی کی یکتائی اور اپاہج پن قدرتی اشتراک کا ایک راز ہے جس کو انہوں نے یوں فاش کیا ہے:

"وہ کمرے کے اندر داخل ہوئے تو انہیں محسوس ہوا جیسے وہ ہزاروں سال قبل کے اس عالی شان معبد میں پہنچ گئے جہاں قربان گاہ کے ستون پر وینس کا مجسمہ نصب تھا۔ فرق اتنا تھا آج وینس کے خوب صورت بازو میلو جزیرے کے گرد پھیلے ہوئے پانیوں کی تہہ میں کائی آلود ہو چکے ہیں۔"[14]

"پھر اس نے وینس کے سڈول کولہوں اور سینے پر نظر ڈالی اور ناک چڑھا کر بولی میرے خیال میں تو وینس بہت موٹی ہے۔
پاسکل تیزی سے پیچھے مڑی۔ اس کی نیلی آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی: میں کیسے جل سکتی ہوں۔۔۔
وہ بھی تو میری طرح اپاہج ہے، پاسکل نے ایک دم چیخ کر کہا
سنان سکتے میں آگیا اسے گمان بھی نہ تھا کہ پاسکل اس خوب صورت مجسمے میں بھی اپنی دل آزاری کا جواز تلاش کر لے گی۔"[15]

فریب محبت میں جسمانی قرب کی حسرتوں کی پیکر پاسکل کا کردار ایک نکتے کی صورت میں اپنے اختتام کو یوں پہنچتا ہے:

"اسی لمحے وہ دھڑام سے پلیٹ فارم پر گر گئی اس نے نہ تو وہاں سے اٹھنے کی کوشش کی اور نہ ہی سنان کی جانب دیکھا۔ اس کا سرخ کوٹ اس کے گرد ہالا بنائے ہوئے تھا جس کے درمیان پاسکل ایک خوبصورت راج ہنس بے حس و حرکت پڑی تھی۔۔۔ آہستہ آہستہ اس کا چہرہ سرخ کوٹ میں مدغم ہو گیا اور پھر سرخ کوٹ رات کی تاریکی میں جذب ہو کر ایک نکتے کی صورت اختیار کر گیا جو بالآخر سنان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔"[16]

ناول "پیار کا پہلا شہر" میں پاسکل کے علاوہ دوسرا بڑا کردار جینی کا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے اس کردار کی پیش کش میں مغرب کی جنس پرستی کے کج رویوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ جینی معاشرے کی بے پروائی اور بے اعتنائی کی عمدہ مثال ہے۔ مغربی معاشرے کی چکاچوند روشنی میں جنسی گھٹن میں فرد کی جسمانی تسکین کا باعث ہے۔

"پیرس میں مجھے نئے مستقبل کی بجائے صرف خوشگوار ماحول کی پیش کش ہوتی رہیں جن کی مدت کبھی دو چار گھنٹوں سے بڑھنے نہ پائی، جینی کے لہجے میں تلخی تھی پہلے پہل تو میں نے شریفانہ زندگی گزارنے کی بھرپور کوشش کی لیکن مجھے اس میں بری طرح ناکامی ہوئی، وہ خاموش ہو گئی۔

اور پھر۔۔۔سنان کے لہجے میں بے پناہ ہمدردی تھی۔

واپس پھر کیا! میں تو بھوکی نہیں رہ سکتی تھی میں اس معاملے میں بے حد کمزور واقع ہوئی ہوں اب تو یہ پیشہ زندگی کا معمول بن چکا ہے۔ جینی کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی۔"[17]

"پیار کا پہلا شہر" ظاہری طور پر ایک رومانوی کہانی ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس کے اندر بہت ساری تلخ حقیقتیں بھی پنہاں ہیں۔ جن کو تارڑ نے نہایت سلیقے سے اجاگر کیا ہے۔ معاشرتی بے حسی اور کج ادائی افراد کے رویوں سے نمایاں ہوئی۔

"پاسکل ہی اپاہج نہیں، وہ سوچ رہا تھا اس دنیا میں اکثر لوگ اپاہج ہیں۔ معذوری جسمانی نہ بھی ہو تو کبھی مجبوری اور بھوک ان کو اپاہج کر دیتی ہے۔"[18]

جینی نے غربت، افلاس اور بھوک کی وجہ سے طوائف کا پیشہ اختیار کیا ورنہ کوئی بھی خوشی سے اس طرف نہیں آتا۔

"اس نے جینی کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ اسے اس وقت دیکھ کر کوئی بھی اس کے پیشے کا تعین نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ایسا پیشہ جس کا نام لیتے ہی زبان رکنے لگتی ہے۔"[19]

تارڑ نے "جینی" کے کردار کو ارتقائی عمل سے گزارتے ہوئے نیکی کی طرف مراجعت کرنے کی سعی کو بخوبی نبھایا ہے۔ "جینی" اپنے پیشے سے بیزار ہے وہ اپنے ماضی اور حال کو کہیں دفن کر کے ایک اچھے اور بے داغ مستقبل کی خواہاں ہے۔ اس کے دل میں موجود روشنی کی کرنیں اس کے سیاہ ماضی کو منور کرنے کی کوشش خوش آئند ہے۔ اسی لیے تو وہ سنان کو اپنے نیوزی لینڈ جانے کی خوشخبری یوں سناتی ہے۔

"میری درخواست منظور ہو گئی ہے سنان۔ میں اگلے ماہ نیوزی لینڈ چلی جاؤں گی، واقعی؟ جینی یہ تو بہت اچھا ہوا، سنان نے مسکرا کر کہا۔

مجھے وہاں ایک چھوٹے سے قصبے کے سکول میں فرانسیسی زبان پڑھانے کے لیے رکھ لیا گیا ہے۔ اسی طرح وہاں کسی کو بھی معلوم نہ ہو گا کہ میں ماضی میں کسبی پیشے سے تعلق رکھتی تھی۔

سب سے ضروری بات تو یہی تھی نا۔"[20]

مرکزی کرداروں کے علاوہ ناول میں چھوٹے یا ضمنی کردار بھی پلاٹ کی تکمیل میں اپنا رول پلے کرتے ہیں۔ ناول "پیار کا پہلا شہر" میں سوائے دو تین افراد کے باقی تمام کردار مغربی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ناول کے پلاٹ کا آغاز، عروج اور اختتام سب ایک ہی شہر پیرس میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ دو بڑے مغربی کرداروں "پاسکل" اور "جینی" کی متضاد ماحول میں پرورش اور تربیت کے باوجود اندر کی نسوانیت کے جذبات میں یکسانیت ہے۔ دونوں بہتر مستقبل میں اپنے ماضی سے جان چھڑا کر اپنا گھر بسانا چاہتی ہیں۔ یہی نسوانیت کا جذبہ ہے جو علاقائی، مذہبی اور نسلی تفریق

سے بالا ہے۔ چند قابل ذکر ضمنی کرداروں میں "میڈم ژی" کا کردار بھی اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے ساتھ ساتھ مغرب کی بے لگام ثقافتی پس منظر کا عکاس ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"کمرے کا دروازہ کھلا اور میڈم ژی نائیلون کے باریک نائٹ گاؤن میں ڈھکی ان ڈھکی باہر نکل آئی۔"[21]

"میرے کمرے میں بے آرامی تو نہیں ہوگی۔"[22]

"تم اندر کمرے میں آجاؤ میں تمہیں آملیٹ بنا کر دوں گی۔ بالکل مفت۔"[23]

"پال اچھالڑکا تھا تمہاری طرح نہ نہ کی گردان نہیں کرتا تھا مان جاتا تھا، اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔"[24]

پال ایک آوارہ اور بے گھر مصور ہے اس طرح کے اور بھی مصوری کے شوق کی آڑ میں وسیلۂ روزگار سے وابستہ کئی مصور سیاحوں کو پیرس کی تاریخی عمارات اور حسن ودل کشی کی تصاویر فروخت کرکے اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ پیرس کے اس آوارہ اور بے گھر مصور کی روزی روٹی "فن مصوری" اور "فن دلبری" کی قدر دان مغربی حسیناؤں کی مرہون منت ہے۔

"کبھی کبھار کوئی تصویر بک جاتی ہے تو چند روز اچھی طرح کٹ جاتے ہیں کسی نیک دل اور فن پرست خاتون سے تعارف ہو جائے تو کچھ عرصہ ہر شام کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔۔۔

۔۔۔خاتون اگر فن پرستی چھوڑ کر شخصیت پرست ہو تو چار پیسے بھی مل جاتے ہیں۔"[25]

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ رہبانیت فرد کو اس کی جسمانی آرزوؤں کی تکمیل سے کاٹ کر صرف روحانیت تک محدود کر دیتی ہے۔ لیکن تارڑ نے یہاں اس خیال رد کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ فرد خواہ وہ راہب ہو یا راہبہ اس کے اندر جنسی خواہشات کی آسودگی کی تمنا ضرور موجود ہوتی ہے۔

یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"بیٹی ان میں سے ایک راہبہ نے بڑے پیار سے پاسکل کے سر پر ہاتھ پھیرا، آئفل ٹاور کے نیچے ملنے میں کیا قباحت ہے؟۔۔۔اس راہبہ کو کیسے معلوم ہوگیا کہ آئفل ٹاور لڑکوں کو ملنے کے لیے بہترین جگہ ہے۔

وہ بے چاری پیدا ہوتے ہی راہبہ تو نہیں بن گئی تھی نا؟ درمیانی وقفے میں شاید کوئی دل شکن واردات قلب ہوئی اور اسے مجبوراً راہبانیت اختیار کرنی پڑی۔"[26]

ناول "پیار کا پہلا شہر" میں تارڑ نے ناول کی فنی ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام مغربی کرداروں کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اس سے مصنف کی مغربی تہذیب وثقافت سے وسیع آگاہی اور مشاہدہ کا کمال عیاں ہوتا ہے۔

حوالہ جات:

1 غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، **پاکستانی ادب کے معمار، مستنصر حسین تارڑ: شخصیت اور فن**، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 2018ء)، ص13-
2 ایضاً، ص18-
3 مستنصر حسین تارڑ، **ماسکو کی سفید راتیں**، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2008ء)، ص29-
4 غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، **پاکستانی ادب کے معمار، مستنصر حسین تارڑ: شخصیت اور فن**، (اسلام آباد: اکدمی ادبیات، 2018ء)، ص155-
5 مستنصر حسین تارڑ، **پیار کا پہلا شہر**، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2016ء)، ص5-
6 غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، **پاکستانی ادب کے معمار، مستنصر حسین تارڑ: شخصیت اور فن**، (اسلام آباد: اکدمی ادبیات، 2018ء)، ص157-
7 مستنصر حسین تارڑ، **پیار کا پہلا شہر**، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2016ء)، ص10-
8 ایضاً، ص11-
9 ایضاً، ص26-
10 ایضاً، ص21-
11 ایضاً، ص224۔223-
12 ایضاً، ص219-
13 ایضاً، ص220-
14 ایضاً، ص216-
15 ایضاً، ص217-
16 ایضاً، ص229-
17 ایضاً، ص76-
18 ایضاً
19 ایضاً، ص79-
20 ایضاً، ص185-
21 ایضاً، ص70-
22 ایضاً
23 ایضاً
24 ایضاً
25 ایضاً، ص65-
26 ایضاً، ص33-32-